فریضہ ءِ اقامتِ دین

امت مسلمہ اور اس کا مقصدِ وجود

امت کی امتیازی صفت

- تمام انسانی جماعتوں میں سب سے اچھی جماعت
- اسکے لائے جانے کے پیچھے ایک خاص مقصد
- نوعیت اور حیثیت کے اعتبار سے تمام قوموں سے مختلف اور ممتاز
- اپنے طرزِ فکر، طریقِ عمل، معیار، مزاج اور نصب العین میں بھی سب سے الگ، مخصوص اور ممتاز

مقصدِ وجود

- امر بالمعروف و نہی عن المنکر یا شہادتِ حق یا اقامتِ دین
- آخری تعبیر میں جامعیت، ہمہ گیری اور صراحت بقیہ دونوں سے بہتر۔ اس لئے اس تعبیر کو غالب اصطلاح ہونے کا حق

اقامتِ دین کا مفہوم

- پورا دینِ انسانی، فرد اور معاشرہ پر اس طرح غالب اور نافذ ہو جائے کہ دور سے دیکھا اور پہچان لیا جائے
- پورا ماحول قرآنی اور پورا معاشرہ ایک متحرک قرآن نظر آنے لگے

مقصد فراموشی اور اس کے نتائج

اصول و مقاصد کی اہمیت

- جماعت کی زندگی اس بات پر موقوف ہے کہ اسکی نگاہ اپنے مقصد پر جمی رہے
- مقصد پر نگاہ رکھنا اور اس پر جمے رہنا اس بات پر موقوف ہے کہ اس تک پہنچنے کے جو اصول ہیں، انھیں یہ دل و جان سے عزیز رکھے
- مقصد سے عشق اور اصولوں پر یقین کا لازمی تقاضہ ------- اجتماعی نظم و نسق اسکے ہاتھ میں ہو
- اگر کوئی اور نظام اس پر مسلط ہو تو وہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے گا جب تک اس نظم و نسق کی دھجیاں نہ بکھیر دے
- اگر اس عشق و یقین میں زوال آجائے تو اس میں تعاون اور مداہنت [co-operation and compromise] کا رجحان ابھر آئے گا
- یہ زوال تیزی سے آگے بڑھتا ہے اور پھر تعاون و مداہنت کی حدیں پھاند کر دوسرے اصولوں کی غلامی قبول کر لیتا ہے
- یہ عین ممکن ہے کہ جماعت مادی حیثیت سے اقوامِ عالم کے صفوں میں نمایاں ہو، لیکن مقصد اور اصولوں کے نقطۂ نظر سے اس کا وجود اور عدم وجود برابر

اصول اسلام کی شرکت بیزاری

- کوئی بھی جماعت یا مسلک اپنے مقصد اور اصولوں میں ترمیم برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلام تو قطعاً نہیں اسلئے کہ ان کا سرچشمہ الٰہی ہے

- کسی اور جماعت کے لئے اپنے مسلک کے خلاف اصولوں سے تعاون یا مصلحت ممکن ہو تو ہو مگر اس جماعت کے لئے اس کا تصور بھی حرام۔ حتّی پر امن باہمی وجود کو تک یکلخت ٹھکرا دیا گیا

مقصد شناسی کا معیاری نمونہ

- آغاز میں جو نمونہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ نے پیش فرمایا، بس یہی ایک معیاری نمونہ ہے جسے اس جماعت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا ہے
- حالات کی ناسازگاری، ہولناک مصائب و مشکلات میں بھی یہ جماعت اپنے موقف سے ایک انچ نہ ہٹی، نہ مصلحت، نہ مداہنت
- نتیجہ: زیادہ دن نہ گزرے کہ تاریخِ انسانی کا وہ حیرت انگیز انقلاب وجود میں آیا جس کی منطقی توجیہ کرنے سے بڑی بڑی عقلیں دنگ ہیں

مقصد شناسی کا زوال

- ابتدائی دور گزر جانے کے بعد مختلف اسباب کے تحت مداہنت کی بیماری جڑ پکڑنے لگی
- جب تک سیاسی اقتدار رہا، اُصولوں کے اعتبار سے مجموعی حیثیت سے خود فراموشی اور خود کشی کی راہ تو اختیار نہ کی مگر ان اُصولوں کی جڑیں کھوکھلی ہوتی رہیں
- سیاسی زوال کے بعد، فکری زوال اس تیزی کے ساتھ آیا کہ یہ جماعت اپنے آپ کو بھول گئی۔۔۔۔ نہ اسے اپنا مقصد یاد رہا نہ اُصول
- اگرچہ ایک چھوٹی سی اقلیت ابھی خود فراموشی کے اس مقام تک نہیں پہنچی ہے، اپنے مقصد اور نصب العین اور اصول کو جانتی ہے لیکن خاموش مصالحت کی پر امن روش پر گامزن ہے۔ نہیں چاہتی کہ "اربابِ سیاست" کی طرف سے " مذہبی مجنون" کا الزام لگے۔ اپنے آپ کو یہ سمجھا کر مطمئن کرتے ہیں کہ دین میں آسانی رکھی گئی ہے۔" طاقت سے زیادہ مکلف نہیں ہیں"

نقمت بقدر رحمت کا قانون

- زندگی کے میدان میں اور قوموں کے عروج و زوال میں دو قسم کے قوانین ا۔ طبعی ۲۔ اخلاقی [دینی]
- اگر دو فریق نبرد آزما ہوں تو فتح اس کی ہوگی جو مادّی اعتبار سے زیادہ قوی ہو
- اگر دونوں مادی اعتبار سے برابر ہوں تب فتح اسکی ہوگی جو اخلاقی اعتبار سے برتر ہو۔ حتّٰی یہ کہ اگر مادّی اعتبار سے وہ مخالف کا دسواں حصہ ہو تب بھی " اخلاقی قوانین" خصوصی فیصلہ بن کر اسے فتح یاب کر دیتی ہیں۔ [اخلاق سے مراد حقیقی دینی و اخلاقی نہ کہ افادی و تجربی] ۔ اسی ضابطہ کے تحت امّتِ مسلمہ کا ابتدائی دور عظمت و سربلندی کا دور لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضابطہ ہے کہ جس گروہ پر اللہ کا فضل و کرم جتنا زیادہ ہوتا ہے اسکی ناشکری پر پکڑ بھی اتنی ہی سخت:

  ا۔ اپنے محبوب ترین بندے سے کہا گیا کہ اگر تم کفار کی طرف ذرا بھی جھک پڑتے ہو تو دونوں جہانوں میں دُہرا عذاب [بنی اسرائیل: ۷۵،۷۴]

  ۲۔ ازواجِ مطہرات سے فرمایا گیا کہ ان میں سے جو کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہو گی اسے دوگنا عذاب [الاحزاب: ۳۰]

  ۳۔ بنی اسرائیل نے جب ان خصوصی نعمتوں کا کفر کیا تو ان پر قیامت تک کے لئے ذلت و مسکنت

- یہ اس وجہ سے کہ اس طرح دو جرموں کا ارتکاب ہوتا ہے ا۔ مخالفتِ حق کا ۲۔ احسان کشی اور نمکحرامی کا
- امتِ مسلمہ آج اسی جرم کی مرتکب ہو رہی ہے جس کا ارتکاب پچھلی امتوں نے کیا تھا۔" افتوءمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعض۔" زبانی طور پر تو کفر نہیں کرتے لیکن مصالحت اور مداہنت کے پردے میں عملاً اسی کفر کے مرتکب ہوتے ہیں

چہ باید کرد

اسکے سوا کوئی راہ نہیں کہ اس فریضہِ اقامت دین کے بارِ گراں کو اپنے کاندھوں پر اٹھالیں، دنیوی و اخروی فلاح اسی میں مضمر

گریز کی راہیں

- ماحول کے تقاضے سے کوئی مخصوص پالیسی مرتب کی جاسکتی ہے لیکن نصب العین اور مقصدِ حیات میں ترمیم اللہ اور رسول سے بغاوت اور ملی خودکشی
- مثال اس اندھے کی جو کسی گہرے کھڈ کی طرف اپنے خیر خواہ کی تنبیہ کو سنی ان سنی کرتے ہوئے [لیکن ساتھ میں اس کے خلوص کے قصیدے پڑھتے ہوئے] بڑھا چلا جارہا ہو
- امت کے ۹۹% سے زیادہ افراد اپنے جرم [نصب العین کو بھول جانے کا] کا کفارہ ادا کرنے کی بجائے یا اپنے عمل سے اس داغ کو دھونے کی بجائے فرار اور گریز کے فلسفے تراشنے میں لگے ہوئے ہیں

گریز کے فلسفے

ا۔ دین کے جزوی اتباع پر اطمینان

"اجتماعی احکام کا نفاذ اسلامی حکومت کی ذمہ داری۔ اگر ایسی حکومت ہی نہ ہو تو ایسے احکام "حالتِ اضطرار" میں آجاتے ہیں جن کا توڑنا شریعت میں مباح ہے"

i۔ پورے مجموعہ شریعت کی پیروی لازم

- یہ کہنے کی کوئی جسارت نہیں کرسکتا کہ عبادات اور اخلاق کے ماسواء جو احکام ہیں وہ نعوذ باللہ بھرتی کے مضامین ہیں
- یہ حق کسی کو نہیں پہنچتا کہ قران کے بعض احکام کو مانا جائے اور بعض سے بے رُخی برتی جائے۔ مسلمان نام ہی ہے کامل اطاعت کا

ii۔ سیاسی اقتدار سے محرومی کا عذر

- اجتماعی احکام کی اصل مخاطب اور ذمہ دار پوری امت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا بالفعل نفاذ صرف اولوالامر کرتے ہیں
- سیاسی اقتدار نہ ہونے کی صورت میں ذمہ داری کم نہیں بلکہ دُگنی ہو جاتی ہے۔ نماز کو اس وجہ سے ترک نہیں کرسکتے کہ قران یاد نہیں
- اگرچہ یہ دشوار کام ہے لیکن مومن کی طاقت خواہ وہ ذہنی ہو یا جسمانی یا مالی اس کی اپنی ملکیت تو نہیں بلکہ یہ تو ایک امانت ہے

iii۔ "اضطرار" کا عذر

- ان احکام کے سلسلے میں جن میں اقتدارِ کفر بھی مانع نہیں یہ عذر کہ "اضطرارا" ایسا ہو رہا ہے بالکل لایعنی ہے۔ اس لئے کہ قانونِ اضطرار مشروط ہے اس بات پر کہ :

  ا۔ حالت واقعی مجبوری کی ہو اور لقمہء حرام کے سوا جان بچانے کا کوئی ذریعہ ممکن نہ ہو

  ۲۔ دل میں اسکی کوئی رغبت نہ ہو بلکہ شدید جذبہ کراہت کے ساتھ

  ۳۔ استعمال صرف اس حد تک جس سے جان بچائی جاسکے

- دین کے جزوی اتباع پر مطمئن رہنا ایک غلط فہمی بلکہ نا فہمی ہے۔ ایمان کے بے جان ہونے کی دلیل ہے اور فوری طور پر پوری قوت سے اسے توڑا نہ گیا تو قلب ملت کی وہ کمزور دھڑکنیں بھی ختم ہو جائیں جو ابھی تک کبھی کبھی محسوس ہو جایا کرتی ہیں

۲۔ ناساز گار حالات کا عذر

"علانیہ اس نصب العین کو پیش کرنا ناعاقبت اندیشی، خلاف مصلحت، وقت اور قوت کا ضیاع اور مفادِ ملت کے لئے مہلک۔ ایسی جزئی تدابیر اختیار کی جائیں جو ممکن العمل ہوں اور جب ان تدابیر کے نتیجہ میں حالات ساز گار ہو جائیں تب براہِ راست جدوجہد"

- تاریخِ انبیاء کو اگر ہم نے مشرکین کی طرح "اساطیر الاولین" کی حیثیت نہ دے رکھی ہو تو ان کا اسوہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ اقامتِ دین کا مشن لے کر دنیا میں اسی وقت بھیجے گئے جب حالات کی ناسازگاریاں اپنی انتہاء کو پہنچ چکی تھیں
- یہ کہا جاسکتا ہے کہ "حالات" بہر حال ایک حقیقت ہیں جن کا اثر جدوجہد پر پڑتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن حالات کی ناسازگاریاں اس جدوجہد کو ملتوی یا منسوخ نہیں کر دیتیں بلکہ حالات جتنے زیادہ ناسازگار ہوں، مہم اتنی ہی پرجوش اور شدید ہو گی
- اگر حالات ناکامی کا یقین دلا رہے ہوں تب یہ کہنا کہ اقامتِ دین کی جدوجہد ممکن ہی نہیں، گویا یہ کہنا ہے کہ اس دور میں مسلمان ہونا ممکن ہی نہیں اس لئے کہ یہی اسلام کی روح اور حرکتِ قلب ہے
- جب مارکس کے پیرو اپنے نصب العین کی خاطر زار نکولس سے بھڑ سکتے ہیں، جاپان و جرمن قوموں کا اپنے نصب العین سے عشق ساری دنیا کو للکار سکتا ہے تو کیا یہ ہمارے لئے غیرت کا مقام نہیں کہ رضائے الٰہی اور اُخروی سعادت کا نصب العین ہمارے قلب میں چنگاری تک پیدا نہ کر سکے
- "اہلِ دانش" کا یہ ریمارک کہ یہ سب جذباتی باتیں ہیں جن کا عمل کے میدان سے کوئی تعلق نہیں، خود بخود یہ سوال ہمارے لئے کھڑا کر دیتا ہے کہ ایسا دین قبول ہی کیوں کیا جائے جو بار بار اور کھلم کھلا اس "جذباتی طرزِ عمل" کی تلقین کرتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات اس دین پر نہیں بلکہ اپنی عقل و فہم پر ایمان رکھتے ہیں
- مقصد کا تعین، "عقل" کرتی ہے۔ کام کی نوعیت اور مراتب کا تعین بھی "عقل" کرتی ہے لیکن اس کے بعد "جذبات" کی شرکت لازمی ہو جاتی ہے، بلکہ یہاں "جذبات" ہی ہوتے ہیں جو عمل میں ولولہ پیدا کرتے ہیں۔ مقصد کے حصول میں "جذبات" سے کام لینا بھی "عقلیت" ہے۔ "جذباتیت" نہیں۔
- اقامتِ دین کے معنی اسلام کو بالفعل نافذ کرنا نہیں بلکہ اس کو قائم کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت سے جدوجہد کرنا ہے۔ اس لئے اس تحریک میں دیگر دنیوی تحریکوں کی طرح ناکامی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مومن کا اصل مقصود "رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت ہوتا ہے
- کامیابی کے عمومی مفہوم کو سامنے رکھا جائے تب بھی اس دنیا میں اس جدوجہد کی کامیابی کے امکانات بہت زیادہ روشن ہیں

  ۱۔ اگر امت کا ۱۰/۱ یا ۲۰/۱ حصہ ہی سہی اس کام کی انجام دہی میں لگ جائے تب انکی اخلاقی قوت ایک دنیا کو بدل سکتی ہے

  ۲۔ انسان فطرت کے اعتبار سے "خیر پسند" واقع ہوا ہے۔ اگر نظری اور عملی ہر دو طریقوں سے حق بے حجاب ہو جائے تو عملاً" وہ اس کی طرف لپک پڑے گا

  ۳۔ زمانے کا "ارتقائی رجحان" جس نے گروہی و مذہبی عصبیت کے خاف ایک عام فضا بنادی ہے، بڑی حد تک انسانی فکر کو پختہ کر چکا ہے

  ۴۔ تبلیغ و اشاعت کے ذرائع لامحدود ہو چکے ہیں

  ۵۔ فکری انقلاب، اوہام کے ساتھ بہت سے حقائق بھی اپنے جوش میں بہالے گیا، لیکن اب وہ اپنی بے اعتدالی اور اسکے برے نتائج کو عملاً" محسوس کر رہا ہے

  ۶۔ وہ خدا جو باطل کی دی ہوئی قربانیوں کو اس دنیا میں رائیگاں جانے نہیں دیتا بلکہ اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے، حالانکہ اسے وہ ناپسند اور مبغوض ہے، حق کی خاطر دی جانے والی قربانیوں کو کیوں کر رائیگاں جانے دے گا جو اسے انتہائی پسند اور محبوب ہے

  ۷۔ حق کے علمبرداروں کی غفلت اور انکی حق سے دوری کے باعث باطل نے جس گھر پر قبضہ جما رکھا ہے [اس لئے کہ اللہ کی یہ سنت ہے کہ یہ گھر کبھی بے آباد نہ رہے]، اگر اس کے اصل مکیں غفلت سے نکل کر پرچمِ حق کو دوبارہ تھام لیتے ہیں تو قرآن انھیں نوید دیتا ہے۔ "وجاء الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا"

- اس سلسلے میں قومی مفاد کی دہائی دی جاتی ہے کہ قوم کا مادی و معاشی مفاد شدید خطرے سے دوچار ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں پہلے یہ جان لینا چاہیئے کہ اس دل میں خدا کی محبت ہے یا قوم اور قومی مفاد کی۔ زمانہ نبوت میں منافقین کے نفاق کی بنیاد یہی مفاد پرستانہ ذہنیت تھی۔ دوسرے، قران اس کے برعکس، اقامتِ دین کے فریضہ کی بجاآوری کے نتیجہ میں ان تمام قومی مفادات کے تحفظ کی ضمانت بھی دے دیتا ہے جس کے تعلق سے یہ خدشات ظاہر کئے جاتے ہیں:

  ۱۔ امن کا وعدہ [سورہ انعام: ۸۲]

  ۲۔ آسمانوں اور زمین سے برکتوں کا نزول [الاعراف: ۹۶]

۳۔سیاسی سربلندی[انبیاء: ۱۰۵]

- اب اگر کسی بدنصیب کو اللہ کے وعدوں پر اعتماد ہی نہ ہو اور جو ایمان کی قوتِ تسخیر سے ہی بدگماں ہو تو بڑی زبردستی کرتا ہے، اگرامتِ مسلمہ کے معاملے میں کچھ بولنے کا اپنے آپ کو حقدار سمجھتا ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ "امن" ،"خوشحالی" اور" سربلندی" ابتلاءوآزمائش،دشواریوں اور مراحل سے گزرنے کے بعد ہی حاصل ہونگی

پھیر کا راستہ:اس کی کوئی گنجائش نہیں۔اگر یہ قابل عمل ہوتا یا اس میں کوئی دینی مفاد مضمر ہوتا تو انبیاء کی تاریخ میں کہیں سے تو ہمیں کوئی سراغ مل جاتا۔یہاں تو حسن وجمال،دولت کے ڈھیر، سرداری کی پیشکش۔۔۔ان سب کو محض اس وجہ سے ٹھکرادیا جاتا ہے کہ اس جدوجہد میں کسی "پھیر کے راستے" کی گنجائش ہی نہیں۔نہ عقل اسکی حمایت کرتی ہے نہ حق کی فطرت اسے گوارا کرتی ہے

۳۔تاریخِ خلافت کا استدلال

" نصب العین برحق، لیکن صدیق وفاروق کہاں سے لائیں؟ جس مشن کو حضور ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت ۳۰ برس سے زیادہ نہ چلا سکی اس کے لئے ہم ضعیف الایمان لوگوں کا دم خم دکھانا گویا تقدیر سے لڑنا ہے۔"

- اگر خلافتِ راشدہ ۳۰-۴۰سال تو درکنار اگر اپنی معیاری شکل میں ایک دن بھی قائم نہ رہ سکی ہوتی تب بھی اقامتِ دین کی ذمہ داری جوں کی توں باقی رہے گی اس لئے کہ فرائض کا تعین نصب العین کرے گا نہ کہ تاریخ
- اگر یہ منطق مان لی جائے کہ چونکہ ہم ابوبکر وعمر اور صحابہ کرام جیسا ایمان نہیں لا سکتے ،اسلئے اقامتِ دین کی جدوجہد لایعنی ہے اس لئے کہ ۳۰ برس سے زیادہ اسے چلایا نہ جاسکا تو پھر ان مطلوبہ صفات کے لئے کوشش، حتّٰی کہ مسلمان باقی رہنے کی کوشش بھی بند کر دینی چاہیئے۔اگر کوئی ایسا کہنے کی جراءت نہیں کرتا تو پھر اقامتِ دین کے سلسلے میں ایسی سوچ، چہ معنی؟؟
- یہ غلط فہمی بھی قصدا" پیدا کی گئی ہے کہ اسلامی نظام صرف ۳۰ برس تک ہی باقی رہا۔جس طرح صدیق وفاروق کی شخصیتیں بے داغ تھیں ان کی خلافت بھی "خیرِ کامل" کا نمونہ تھی۔اور جس طرح بعد کی شخصیتیں ناقص تھیں،ان کے طرزِ خلافت میں بھی نقص تھا۔جس طرح بعد کے افراد کی کمزوریوں پر تنقید تو کی جاسکتی ہے لیکن انھیں دائرہِ اسلام سے خارج نہیں دیا جاسکتا اسی طرح بعد کے سیاسی ڈھانچے پر تنقید تو کی جاسکتی ہے لیکن اسے بالکل غیر اسلامی اور جاہلی قرار دینا زیادتی ہے۔اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس طرح کے ناقص نظام پر مطمئن ہو جانے کی تلقین کی جارہی ہے بلکہ صرف یہ حقیقت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اسلامی نظام کو صرف ۳۰ سال تک محدود بتلانا علمی بددیانتی اور تاریخ سے فریب کاری ہے
- اب اگر اسلامی نظام ناقابل عمل اور ناممکن الوجود ہے تو پھر ایسا کونسا نظام ہے جو صحیح معنوں میں اس زمین پر کہیں نافذ ہوا ہو؟ بادشاہت کو چھوڑ کر[کہ یہ کوئی نظام ہی نہیں] ،جمہوریت یا اشتراکیت کی کوئی ایک مثال لے لیں اور ثابت کر دیں کہ صحیح معنوں میں کسی ایک ملک میں کبھی ایک دن کے لئے ہی سہی یہ نظام پوری طرح نافذ ہوا ہو۔اب اگر کسی نظام کا معیاری قیام ونفاذ ہی اس کے قابل قبول اور قابل عمل ہونے کی دلیل ہو تو یہ دلیل صرف اسلام کے پاس ہے۔

۴۔تربص کا رویہ

" کوئی تو آگے بڑھے اور کامیاب گامزنی کا مظاہرہ کرے،تب ہم اس جدوجہد میں شریک ہوں "

- اگر کوئی میدانِ عمل میں نظر بھی آئے تو انھیں ان کی عزیمت مشکوک نظر آتی ہے۔یہ تو وہی بات ہوئی کہ چونکہ امام کی نماز میں خلوص اور للّٰہیت کی روح نظر نہیں آتی اسلئے نماز پڑھنی ہی چھوڑ دینی چاہیئے

- اگر اقامتِ دین کے داعی یا گروہ میں واقعی خامی یا خامیاں ہوں تو ان خامیوں کو اپنی بے عملی کی سند بنانے کی بجائے ان سے دامن بچاتے ہوئے اس جھنڈے کے لے کر آگے بڑھیں اور ان کے لئے عزیمت کی دعا کریں
- اس سے بھی زیادہ شرمناک وہ ذہنیت ہے جو اس بات کی منتظر ہے کہ کب یہ اقامت دین کے "جھوٹے مدعی" میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں اور انھیں اپنے جذباتِ طعن و تشنیع کی تسکین کا موقع نصیب ہو بالکل سی طرح جیسے اعرابی حضور ﷺ اور آپ کے اولوالعزم ساتھیوں کے بارے میں ہلاکتوں کی راہ تکا کرتے تھے ۔"یتربص بکم الدوائر" [التوبۃ:۹۸]

۵۔ مہدی موعود کا انتظار

" ان کی آمد سے پہلے اس امت پر کوئی خاص ذمہ داری نہیں"

- ظہورِ مہدی کی کوئی خبر ہمیں قران میں نہیں ملتی۔اس مسئلہ کو ایسی اہمیت حاصل ہوتی جو ہماری زندگی کے بنیادی فریضہ پر فیصلہ کن اثر ڈال سکتی ہے تو قرآن میں اس تعلق سے واضح ہدایات ملنی چاہیئے تھیں
- صحیح احادیث میں بھی کوئی واضح شہادت نہیں ملتی۔اس تعلق سے جو روایات ہیں ان میں شاید ہی کوئی ایسی ہو جو محدثانہ معیارِ تحقیق پر بے داغ اترتی ہوں۔اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کے نزدیک اس معاملہ کی نہ تو خاص دینی اہمیت تھی اور نہ ہی آپ کے ارشادات کو باقی امت تک منتقل کرنے والے صحابہ کے نزدیک
- امام مہدی جب بھی آئیں گے اپنا فرض ادا کریں گے۔اس انتظار میں ہمارا فریضہ کیسے ساقط ہو سکتا ہے
- اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ان سے پہلے "خلافت علی منہاج النبوۃ" اس زمین پر قائم ہی نہ ہو سکے گی جبکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں یہ قائم ہو چکی تھی۔ اور اگر نہ بھی ہوئی ہو تو اس فریضہ کے لئے جدوجہد سے اعراض کا جواز کہاں سے نکل آتا ہے

ان تمام گریز کی راہوں سے بچنے کا واحد طریقہ:

- بے لاگ احتسابِ نفس
- اگر دل نے اس کی صداقت قبول کر لی ہو تو اعتذار کے سارے دروازے بند ہونے چاہیئیں
- حق کو سمجھ لینے کے بعد اس سے منہ موڑنا اس سنتِ فرعونی کی پیروی کرنا ہے جس کا ذکر سورۃ النمل:۱۳،۱۴ میں آیا ہے۔"جب ان کے سامنے ہماری واضح نشانیاں آئیں تو انھوں نے کہا یہ تو صاف جادو ہے اور باوجود اس کے کہ ان کے دل نشانیوں کی حقانیت پر یقین رکھتے تھے انھوں نے ظلم اور سرکشی کی بناء پر ان کا انکار کر دیا" اور اس سنت کی پیروی کا جو انجام ہو سکتا ہے وہ سب کو معلوم ہے

اقامتِ دین کا طریقہ کار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قران و سنت کی روشنی میں

۱۔ تقویٰ کا التزام

۲۔ منظم اجتماعیت

۳۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

غلط فہمی کا ازالہ:

اس عملدرآمد میں ایسی کوئی زمانی ترتیب نہیں جس کی رو سے جب تک پہلے اصول پر پوری طرح عمل نہ ہو، دوسرے کی ابتداء ہی نہ کی جائے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تینوں اصولوں پر عمل بیک وقت شروع ہونا چاہیئے